بھلا رکھدیا) جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج سے) تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت سے بالکل غافل بلکہ منکر ہوگئے تھے) سو آج یہ لوگ نہ تو دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائیگا (یعنی اسکا موقع نہ دیا جائیگا کہ توبہ کرکے خدا کو راضی کرلیں۔ جب یہ تمام مضامین سن لئے) تو (ان سے یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے (ثابت) ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا (اور آسمان و زمین ہی کی کیا تخصیص ہے وہ تو) پروردگار ہے تمام عالم کا اور اسی کو بڑائی ہے (جسکا ظہور آثار و علامات سے) آسمان و زمین میں (ہو رہا ہے) اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

معارف و مسائل

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً، جُثُوّ سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیانؒ نے فرمایا، جُثُوّ اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ جس میں زمین پر صرف گھٹنے اور پاؤں کے پنجے ٹک جائیں، اس طرح کی نشست ہول اور خوف کی وجہ سے ہوگی۔ اور ظاہر کُلَّ اُمَّةٍ کے لفظ سے یہ ہے کہ یہ صورتِ خوف تمام اہلِ محشر مومن کافر نیک و بد سب کو پیش آئے گی اور بعض دوسری آیات اور روایات میں جو محشر کے خوف و فزع سے انبیاء و صلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اسکے منافی نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دہشت و خوف تھوڑی مدت کے لئے انبیاء و صلحاء پر بھی طاری ہو مگر تھوڑی دیر قلیل ہونے کی بناء پر اسکو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کُلَّ اُمَّةٍ سے مراد عام اہلِ محشر نہ ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کُل بعض اوقات اکثر کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے جاثیہ کے معنے ایسی نشست کے کئے ہیں جیسے نماز میں ہوتی ہے تو پھر وہ اشکال خود ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا، کتاب سے مراد اس جگہ اکثر مفسرین کے نزدیک وہ نامۂ اعمال ہے جو فرشتے دنیا میں لکھتے رہے تھے اور اب محشر میں یہ صحائفِ اعمال اڑا دیئے جائیں گے ہر ایک آدمی کا نامۂ اعمال اسکے ہاتھ میں پہنچ جائیگا اور اس سے کہا جائے گا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا یعنی اپنا نامۂ اعمال پڑھ لو اور خود ہی حساب لگا لو کہ تمہیں ان اعمال کا کیا بدلہ ملنا چاہئے۔ اور اس اعمال نامہ کی طرف بلانے کا مطلب اسکے حساب کی طرف بلانا ہے جیسا کہ خلاصۂ تفسیر میں آچکا ہے۔ واللہ اعلم

تمت سورۃ الجاثیۃ لحادی عشر من رجب ۱۳۹۲ھ یوم الثلثاء وللہ الحمد والمنۃ

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی اور اسمیں پینتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

اُتارنا کتاب کا ہے اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہم نے جو بنائے آسمان

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ

اور زمین اور جو اُن کے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر اور جو لوگ منکر ہیں وہ

اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ

ڈر کو سن کر منہ پھیر لیتے ہیں تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو

مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ

انھوں نے کیا بنایا زمین میں یا اُن کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں لاؤ میرے پاس کوئی کتاب

مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ وَمَنْ

اس سے پہلے کی یا کوئی علم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے اور اس سے

اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ

زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے سوائے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت

الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا

تک اور اُن کو خبر نہیں اُن کے پکارنے کی اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہونگے

لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥

انکے دشمن اور ہونگے اُن کے پوجنے سے منکر

خلاصۂ تفسیر

حٰمٓ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے (اس لئے اسکے مضامین قابلِ غور ہیں، آگے توحید اور معاد کا بیان ہے کہ) ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو انکے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ اور ایک میعادِ معین (تک) کے لئے پیدا کیا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں اُن کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (مثلاً یہ کہ توحید کے انکار پر تم کو قیامت میں عذاب ہوگا) وہ اُس سے بے رُخی (اور بے التفاتی) کرتے ہیں (اور توحید کو قبول نہیں کرتے)۔ آپ (اُن سے توحید کے بارہ میں) کہیئے کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو (ان کے مستحقِ عبادت ہونے کی کیا دلیل ہے، اگر دلیل عقلی ہے تو) مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انھوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا انکا آسمانوں (کے پیدا کرنے) میں کچھ حصہ ہے (اور ظاہر ہے کہ تم بھی اُن کو خالق نہیں مانتے جو کہ دلیل ہوسکتی ہو مستحقِ عبادت ہونے کی، بلکہ مخلوق کہتے ہو جو کہ مستحقِ عبادت ہونے کے منافی ہے پس دلیلِ عقلی تو مفقود ہوئی اور اگر تمھارے پاس دلیلِ نقلی ہے تو) میرے پاس کوئی (صحیح) کتاب (لاؤ جس میں شرک کا حکم ہو اور) جو اس (قرآن) سے پہلے کی ہو (کیونکہ تم بھی جانتے ہو کہ قرآن میں شرک کی نفی ہے پس کسی اور ہی کتاب کی ضرورت ہوگی) یا (اگر کتاب نہ ہو تو) کوئی اور (معتبر) مضمون (جو زبانی) منقول (ہوتا چلا آتا ہو اور کتاب میں مدوّن نہ ہو) لاؤ اگر تم (دعویٰ شرک میں) سچے ہو (مطلب یہ کہ دلیلِ نقلی کا قابلِ تصدیق اور مستند ہونا ضروری ہے کسی نبی کی کتاب ہو یا اُن کا زبانی قول ہو) اور (ظاہر ہے کہ ایسی دلیل کوئی پیش نہیں کرسکتا مگر جو اپنے باطل عقیدے سے پھر بھی باز نہ آئے ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) اُس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو (دلیل سے عاجز ہونے اور اسکے خلاف پر دلیل قائم ہونے کے باوجود) خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اسکا کہنا نہ کرے اور اُن کو انکے پکارنے (تک) کی بھی خبر نہ ہو اور (پھر) جب (قیامت میں) سب آدمی (حساب کیلئے) جمع کئے جائیں تو وہ (معبود) ان (عبادت کرنے والوں) کے دشمن ہوجائیں اور اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں (پس ایسے معبود کی عبادت کرنے سے بڑھ کر کیا غلطی ہے کہ عبادت کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں اور عبادت نہ کرنے کے اسباب و وجوہ بکثرت ہیں)

معارف و مسائل

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، ان آیات میں مشرکین کے دعوائے شرک کو باطل کرنے کے لئے اُن سے انکے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ کوئی دعویٰ بغیر شہادت و دلیل کے عقلاً یا شرعاً قابلِ عمل نہیں ہوتا۔ پھر اسمیں جتنی قسمیں دلائل کی ہوسکتی ہیں سب کو جمع کردیا ہے اور

ثابت کیا ہے کہ تمھارے دعوے پر کسی قسم کی بھی دلیل و شہادت موجود نہیں اسلئے اس بے دلیل دعوے پر قائم رہنا گمراہی ہے۔ دلائل کی اس آیت میں تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک عقلی دلیل جس کی نفی کے لئے فرمایا اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ، دوسری قسم دلیلِ نقلی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں دلیلِ نقلی وہ ہی معتبر ہوسکتی ہے جو خود حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جیسے آسمانی کتابیں تورات، انجیل اور قرآن وغیرہ یا اُن حضرات کے اقوال جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول و نبی منتخب کیا ہے۔ ان دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کی نفی تو اس سے فرمائی اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ، یعنی اگر تمھارے پاس بُت پرستی کی کوئی دلیلِ نقلی موجود ہے تو کسی آسمانی کتاب کو پیش کرو جس میں بت پرستی اور شرک کی اجازت دی گئی ہو۔ اور دوسری قسم یعنی اقوالِ انبیاء کی نفی کیلئے فرمایا، اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ، یعنی اگر اللہ کی کسی کتاب میں تم شرک و بُت پرستی کی کوئی دلیل و شہادت نہیں دکھا سکتے تو کم از کم انبیاء میں سے کسی کا قول دکھلاؤ جو سند کے ساتھ اُن سے ثابت ہو۔ اور جب تم یہ بھی پیش نہیں کرسکتے تو تمھارا قول و عمل بجز گمراہی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ لفظ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ میں اَثٰرَةٍ مصدر ہے بروزن شجاعت سماحت وغیرہ جس کے معنے نقل و روایت کے ہیں اسی لئے حضرت عکرمہؓ اور مقاتلؒ نے اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کی تفسیر میں روایت عن الانبیاء فرمایا اور قرطبیؒ نے اس کی تفسیر اسنادِ حسن کے ساتھ فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دلیلِ نقلی کی دو قسمیں معتبر ہیں، ایک آسمانی کتاب جو اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر پر نازل فرمائی، دوسرے پیغمبر کا قول جو اسناد معتبر کے ساتھ پیغمبر سے ثابت ہو۔ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کا یہی مفہوم ہے یہ سب مضمون تفسیر قرطبی سے لیا گیا ہے اور یہی تفسیر مختار اور بے غبار ہے۔ بعض حضرات سے اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کی تفسیر میں دوسرے اقوال بھی منقول ہیں مگر وہ ثابت نہیں اور نظمِ قرآنی کے مناسب بھی نہیں اس لئے جمہور کے نزدیک مختار نہیں۔ واللہ اعلم

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ

اور جب سُنائی جائیں اُن کو ہماری باتیں کھلی کھلی کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب اُن تک پہنچی

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا

یہ جادو ہے صریح کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ہے تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم

تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى

میرا بھلا نہیں کرسکتے اللہ کے سامنے ذرا بھی اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں تم لگ رہے ہو وہ کافی ہے

بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا

حق بتانے والا میرے اور تمھارے بیچ اور وہی ہے بخشنے والا مہربان تو کہہ

كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ

میں کچھ نیا رسول نہیں آیا اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے میں اُسی

أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو یہی ہے ڈر سُنا دینا کھول کر تو کہہ بھلا دیکھو تو

إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ

اگر یہ آیا ہو اللہ کے یہاں سے اور تم نے اسکو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا

ع ۱ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

ایک ایسی کتاب کی، پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا بیشک اللہ راہ نہیں دیتا گنہگاروں کو

خلاصۂ تفسیر

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں (جو کہ معجزہ ہونے کے باعث رسالت کی دلیل ہیں) ان (منکرینِ رسالت) لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کی نسبت جبکہ وہ ان تک پہنچی یوں) کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے (حالانکہ جادو کی نظیر کا ممکن ہونا اور اسکی نظیر کا ممکن نہ ہونا اس قول کے بطلان کی صریح دلیل ہے اور اس سے بڑھ کر اور سُنو) کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (یعنی آپ نے نعوذ باللہ) اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بنالیا ہے (اور خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ آگے اس قول کا جواب ہے کہ) آپ کہدیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہوگا (اور خدا کے ذمہ لگا دیا ہوگا) تو (خدا تعالیٰ اپنی عادت کے موافق لوگوں کو دھوکہ سے بچانے کے لئے مجھ کو نبوت کے جھوٹے دعوے پر جلد ہی ہلاک کردے گا) پھر (جب وہ مجھ کو ہلاک کرنے لگے گا تو) تم (یا اور) لوگ مجھ کو خدا (کے عذاب) سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے (مطلب یہ کہ نبوت کے جھوٹے دعوے پر عذاب کا ہونا ایسا لازمی ہے کہ میرا کوئی حامی و مددگار بھی اُسے نہیں روک سکتا، مگر مجھ کو عذاب نہیں ہوا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ میں اپنے دعوئ نبوت میں جھوٹا نہیں، اور جب میں جھوٹا نہیں تو یہ سمجھ رکھو کہ) وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو (اسلئے تمکو سزا ہوگی غرض یہ کہ) میرے اور تمھارے درمیان (صدق و کذب کا فیصلہ کرنے کے لئے) وہ کافی گواہ (یعنی باخبر) ہے (لہٰذا اگر میں جھوٹا ہونگا مجھ کو فوراً عذاب دے گا، اور اگر تم جھوٹے ہوگے تو تم کو جلد یا بدیر عذاب دے گا) اور (اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب وہ ہماری باتوں سے واقف ہے اور پھر بھی ہم پر عذاب نہیں آیا تو جس طرح مدعئ نبوت پر عذاب نہ آنا اُس کی سچائی کی دلیل ہے اسی طرح ہم منکروں پر عذاب نہ آنا ہماری سچائی کی دلیل بن سکتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ) وہ بڑی مغفرت والا ہے (اسلئے مغفرت کی بعض اقسام مثلاً دُنیا میں

کافروں پر عذاب نہ آنا بھی واقع کر دیتا ہے اور) بڑی رحمت والا ہے (اس لئے رحمت کی بعض اقسام بھی جس کو رحمتِ عامّہ کہتے ہیں کفار کے لئے بھی واقع کر دیتا ہے۔ لہٰذا منکرین کے انکار پر دُنیا میں عذاب نہ ہونا انکے صدق کی دلیل نہیں، برخلاف مدعئ نبوت کے کہ وہاں جھوٹا دعویٰ اور عذاب کا نزول دونوں لازم و ملزوم ہیں کیونکہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کو دنیا میں عذاب نہ دینا لوگوں کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہے بخلاف دوسرے مجرموں کے۔ آگے اثباتِ نبوت کی تاکید ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (کہ تمھارے لئے باعثِ تعجب ہو کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر آچکے ہیں جن کی خبر تواتر سے تم نے بھی سُنی ہے) اور (اسی طرح کسی اور عجیب بات کا بھی میں دعویٰ نہیں کرتا جیسا کہ مثلاً علم غیب ہے چنانچہ میں خود کہتا ہوں کہ مجھ کو غیب کی باتوں میں سے صرف وہ معلوم ہیں جو وحی سے مجھے بتا دی گئی ہیں، غیب کی اور کسی بات کی خبر مجھے نہیں حتیٰ کہ) میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ معلوم کہ) تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ لہٰذا جب اپنے اور تمھارے آئندہ حالات کے علم کا میں مدعی نہیں ہوں تو دُور کی غیبی باتوں کے بارے میں تو کیا دعویٰ کرتا، البتہ جن اُمور کا علم وحی سے ہوگیا ہے خواہ وہ اپنے متعلق ہوں یا غیر کے اور خواہ دُنیا کے حالات ہوں یا آخرت کے انکا علم بیشک حاصل ہے چنانچہ آگے ارشاد ہے کہ) میں تو (علم و عمل میں) صرف اُسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے آتا ہے اور (اسی کی تبلیغ بھی کرتا ہوں۔ اور اگر تم اسکو نہیں مانتے تو میرا کوئی نقصان نہیں کیونکہ) میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں (جس کو میں دلائل سے ثابت کرچکا ہوں اور اوپر جو الزام افترا کی تردید "هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ" سے اجمالاً کی گئی تھی آگے اسکی تفصیل کے طور پر ارشاد ہے کہ) آپ کہدیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتلادو کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور (پھر) تم اسکے منکر ہو اور (کسی دلیل سے اسکے منجانب اللہ ہونے کی مزید تائید بھی ہوجائے مثلاً اسی دلیل سے کہ) بنی اسرائیل (کے علماء) میں سے کوئی (معتبر) گواہ (جو علم و دیانت کے اعتبار سے مسلّم و معتبر ہو اور ایک ہو یا زیادہ، ماضی میں ہو یا حال میں یا مستقبل میں) اس جیسی کتاب (یعنی اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے) پر گواہی دیکر ایمان لے آئے اور تم (باوجود بے علم ہونے کے اس کتاب پر ایمان لانے سے) تکبر ہی میں رہو تو اس صورت میں تم سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا اور بے انصاف لوگوں کی یہ حالت ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو (اُن کے عناد کے باعث) ہدایت نہیں کیا کرتا (بلکہ ہمیشہ گمراہی میں رہتے ہیں اور گمراہی کا انجام آگ ہے)۔

معارف و مسائل

وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ، اس آیت میں

جملہ اِنْ اَتَّبِعُ بمعنے استثناء کے ہے یعنی میں نہیں جانتا بجز اسکے جو مجھ پر وحی کی جائے۔ اسی بنا پر امام تفسیر ضحاکؒ سے اس آیت کی تفسیر وہ منقول ہے جو خلاصۂ تفسیر مذکور میں اختیار کی گئی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اُمورِ غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہوسکتا ہے جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا اُمت کے مومن و کافر لوگوں سے اور خواہ وہ معاملہ دُنیا کا ہو یا آخرت کا اسکی مجھے کچھ خبر نہیں۔ اُمورِ غیبیہ کے متعلق میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سب وحیِ الٰہی سے کہتا ہوں چنانچہ قرآن کریم میں خود مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار علوم اُمورِ غیبیہ کے متعلق عطا فرمائے ہیں، تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ کا یہی مطلب ہے۔ اُمورِ آخرت، دوزخ، جنت، حساب کتاب، سزا و جزاء سے متعلق تو تفصیلاً خود قرآن کریم میں بے شمار مذکور ہیں اور دُنیا میں پیش آنے والے واقعاتِ آئندہ کی بہت سی تفصیلات احادیث صحیحہ متواترہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ میں اُمورِ غیبیہ کے علمِ محیط میں خدا تعالیٰ کی طرح نہیں اور اُن کے علم میں خود مختار نہیں بلکہ مجھے بواسطہ وحیِ خداوندی جو کچھ بتلا دیا جاتا ہے وہ میں ذکر کر دیتا ہوں۔

تفسیر روح المعانی میں اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے اُس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور آخرت اور دُنیا میں پیش آنیوالے اہم معاملات سے آپکو بذریعہ وحی باخبر نہیں کر دیا گیا۔ رہا اشخاص و افراد کے جُزوی شخصی حالات و معاملات کا علم کہ زید کل کو کیا کام کرے گا اور اسکا انجام کیا ہوگا، عمر بکر اپنے گھروں میں کیا کیا کام کر رہے ہیں یا کریں گے ان اُمورِ غیبیہ کا علم نہ کوئی کمال ہے نہ انکے نہونے سے کمالِ نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے متعلق تقاضائے ادب

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے متعلق تقاضائے ادب یہ ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُمورِ غیب کا بہت بڑا علم دیا تھا جو انبیاء میں سے کسی دوسرے کو نہیں ملا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے جو یہ فرمایا کہ اس آیت میں نفی علم صرف اُمورِ دُنیویہ سے متعلق ہے آخرت کے متعلق علمِ غیب کی نفی اس میں شامل نہیں (کما ذکرہ القرطبیؒ) انھوں نے غالباً جملہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى کو بمعنے استثناء قرار نہیں دیا اسلئے نفی علمِ غیب کو اُمورِ دُنیا کے ساتھ مخصوص فرمایا کیونکہ آخرت کے متعلق تو کھلے طور پر آپ نے بتلا دیا کہ کافر دوزخ میں اور مومن جنت میں جائے گا۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو سورۂ شعراء کے آخری رکوع کی آیت کا ہے یعنی اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ جاہل یہود و نصاریٰ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کا انکار کرتے ہیں یہ خود اپنی کتابوں سے بھی ناواقف اور جاہل ہیں کیونکہ بہت سے علمائے بنی اسرائیل اپنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپکی علامات کا مشاہدہ کرکے آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ کیا اُن علماء کی شہادت بھی ان جاہل لوگوں کے لئے کافی نہیں۔ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ میرا دعوائے رسالت اور قرآن کا اللہ کی کتاب ہونا غلط اور افترا ہے اول تو اسکے غلط ہونے کے لئے وہ بات کافی ہے جو پہلے ابھی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ پر ایسا کھلا افترا کرے کہ مجھے اُسنے نبی بنا کر بھیجا ہے اور واقع میں وہ نبی نہیں ہے تو اس پر اس دُنیا ہی میں عذاب کا آجانا اور اسکا ہلاک کیا جانا ضروری ہے تاکہ عام لوگ دھوکے سے بچ سکیں۔ اور بالفرض تم اسکو بھی نہیں مانتے تو کم از کم یہ احتمال کو تو نظر انداز نہ کرو کہ اگر میرا دعویٰ صحیح ہوا اور یہ کتاب اللہ کیطرف سے ہی ہوئی اور تم اس کے کفر و انکار پر جمے رہو تو تمھارا کیا انجام ہوگا خصوصاً اس صورت میں کہ خود تمھاری قوم بنی اسرائیل ہی میں کوئی بڑا آدمی اسکے منجانب اللہ ہونے کی شہادت دیدے اور مسلمان ہوجائے اور تم اس علم کے بعد بھی اپنی ضد اور تکبر پر جمے ہو تو تم کسقدر عذاب کے مستحق ہوگے۔

اس آیت کے الفاظ میں کسی خاص عالم بنی اسرائیل کا نام نہیں لیا گیا اور نہ یہ متعین کیا گیا کہ یہ شہادت اس آیت کے نزول سے پہلے لوگوں کے سامنے آچکی ہے یا آئندہ آنے والی ہے بلکہ ایک جملہ شرطیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر ماضی میں بالفعل یا آئندہ ایسا ہو جائے تو تمھیں اپنی فکر کرنا چاہیے کہ تم عذاب سے کیسے بچو گے۔ اسلئے مضمون آیت کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں ہے کہ علماء بنی اسرائیل میں سے کسی شاہد معین کو اسکا مصداق قرار دیا جائے بلکہ جتنے حضرات یہود و نصاریٰ میں سے داخلِ اسلام ہوئے جن میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ زیادہ معروف ہیں وہ سبھی اس میں داخل ہیں اگرچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ایمان اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا، اور یہ پوری سورت مکی ہے۔ (ابن کثیرؒ)

اور بعض روایات میں جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نازل ہوئی (کما رواہ البخاری ومسلم والنسائی من حدیث مالک) نیز حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سب نے باتفاق فرمایا کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے، تو یہ اس آیت کے مکی ہونے کے منافی نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ پیشگوئی آئندہ کے لئے ہو جائے گی۔ (کذا قال ابن کثیرؒ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر

إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ⑪ وَمِن

ہم سے پہلے، اور جب راہ پر نہیں آئے اسکے بتلانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے بہت پرانا اور اس

قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ

سے پہلے کتاب موسیٰ کی تھی راہ ڈالنے والی اور رحمت اور یہ کتاب ہے اس کی تصدیق کرتی

لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ⑫

عربی زبان میں تاکہ ڈر سنائے گنہگاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو

خُلاصۂ تفسیر

اور یہ کافر ایمان والوں (کے ایمان لانے) کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن (جس پر یہ لوگ ایمان لائے ہیں) کوئی اچھی (یعنی سچی) چیز ہوتا تو یہ (کم درجہ کے) لوگ اُس کیطرف ہم سے سبقت نہ کرتے (یعنی ہم لوگ بڑے عاقل ہیں اور یہ لوگ کم عقل ہیں، اور حق بات کو عاقل پہلے قبول کرتا ہے تو اگر یہ حق ہوتا تو ہم پہلے مانتے جب ہم نے نہیں مانا تو یہ حق نہیں یہ لوگ بے عقلی سے اُدھر دوڑنے لگے ہیں۔ کافروں کا یہ قول انکے انتہائی تکبر کی دلیل ہے جسکا ذکر اوپر استکبرتم میں آیا ہے) اور جب (عناد و تکبر کے باعث) ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو (اپنے عناد اور ضد کی بنا پر) یہی کہیں گے کہ یہ (بھی مثل) قدیمی (جھوٹے مضامین کے ایک) جھوٹ (مضمون) ہے اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب (نازل ہو چکی) ہے جو (موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کیلئے بالعموم) رہنما (تھی) اور (اہل ایمان کے لئے بالخصوص) رحمت تھی (اور جس طرح توریت میں انکی پیشین گوئی ہی یہ (اسی طرح کی) ایک کتاب ہے جو اُس (کی پیشین گوئی) کو سچا کرتی ہے (اور) عربی زبان میں (ہے) ظالموں کو ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے لئے (نازل ہوئی ہے)۔

معارف و مسائل

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ، تکبر و غرور انسان کی عقل کو بھی مسخ کر دیتا ہے۔ متکبر آدمی اپنی عقل اور اپنے عمل کو معیار حسن و قبح و خیر و شر سمجھنے لگتا ہے جو چیز اسکو پسند نہ ہو خواہ دوسرے لوگ اسکو کتنا ہی اچھا سمجھیں، یہ اُن سب کو بیوقوف سمجھتا ہے حالانکہ خود بیوقوف ہے۔ کفار کے اسی درجہ غرور و تکبر کا اس آیت میں بیان ہے کہ اسلام و ایمان چونکہ اُن کو پسند نہیں تھا تو دوسرے لوگ جو ایمان کے دلدادہ تھے ان کو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی، ان دوسرے غریب فقیر لوگوں کی پسند کا کیا اعتبار۔

ابن منذرؒ وغیرہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمر بن خطابؓ جب مسلمان نہیں ہوئے تھے انکی ایک کنیز جسکا نام زنیرہ تھا پہلے مسلمان ہو گئی تھی یہ اس کو اسکے اسلام پر مارتے اور دھمکاتے تھے کہ کسی طرح یہ اسلام کو چھوڑ دے اور کفار قریش کہا کرتے تھے کہ اسلام کوئی اچھی چیز ہوتی تو زنیرہ جیسی حقیر عورت اسمیں ہم سے آگے نہ ہوتی، اسکے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (مظہری)

وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ، اس کلام سے ایک تو مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کا ثبوت ملا کہ آپ کوئی انوکھے رسول اور قرآن کوئی انوکھی کتاب نہیں کہ اُن پر ایمان لانے میں لوگوں کو اشکال ہو بلکہ آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام رسول ہو کر آچکے ہیں اور اُن پر توراۃ نازل ہو چکی ہے جس کو یہ کفار یہود و نصاریٰ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اوپر جو شَهِدَ شَاهِدٌ آیا ہے اسکی بھی تقویت ہو گئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ خود قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے شاہد ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

مقرر جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ

يَحْزَنُونَ ⑬ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا

غمگین ہوں گے وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے اس میں بدلہ ہے ان کاموں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑭ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ

کا جو کرتے تھے اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا پیٹ میں رکھا

أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ

اسکو اسکی ماں نے تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے اور حمل میں رہنا اسکا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ

یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو کہنے لگا اے رب میرے

أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ

میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ

اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری میں نے توبہ کی

إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑮ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ

تیری طرف اور میں ہوں حکمبردار یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں

عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ

بہتر سے بہتر کام جو کیے ہیں اور معاف کرتے ہیں ہم برائیاں اُن کی رہنے والے جنت

الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯ وَالَّذِيْ قَالَ

کے لوگوں میں سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا اور جس شخص نے کہا

لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے، اور گزر چکی ہیں

مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ

بہت جماعتیں مجھ سے پہلے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی تیری تو ایمان لے آ، بیشک وعدہ اللہ کا

فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑰ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ

ٹھیک ہے، پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں پہلوں کی یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ثابت

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ

ہوئی بات عذاب کی شامل اور فرقوں میں جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ⑱ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

بیشک وہ تھے ٹوٹے میں پڑے اور ہر فرقے کے کئی درجے ہیں اپنے کئے کاموں کے موافق اور تاکہ پورے دے

اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ⑲ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى

انکو کام ان کے اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے

النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ

کنارہ پر ضائع کر چکے اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں اور ان کو برت چکے

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي

اب آج سزا پاؤ گے ذلت کا عذاب بدلہ اسکا جو تم غرور کرتے تھے

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ⑳ ع ۲/۱

ملک میں ناحق اور اسکا جو تم نافرمانی کرتے تھے

خلاصۂ تفسیر

جن لوگوں نے (صدق دل سے) کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی توحید کو تعلیم رسول کے مطابق قبول کیا) پھر (اس پر) مستقیم رہے (یعنی اس کو چھوڑا نہیں) سو یقیناً (اسکا نتیجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں پر (آخرت میں) کوئی خوف (کی بات واقع ہونے والی) نہیں اور نہ وہ (وہاں) غمگین ہونگے (یہ تو انکے مضرت سے بچنے کا بیان تھا، آگے اُس منفعت کا ذکر ہے جو انکو ملنے والی ہے کہ) یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض اُن (نیک) کاموں

۵۱

کے جو کہ وہ کرتے تھے (جن میں سے ایمان لانے اور اس پر قائم رہنے کا اوپر ذکر ہے) اور (جس طرح ہمنے حقوق اللہ کو واجب کیا ہے جسکا ذکر ہو چکا اسی طرح حقوق العباد کو بھی واجب کیا ہے چنانچہ اُن میں سے ایک بہت بڑا حق والدین کا ہے اسلئے) ہمنے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اور بالخصوص ماں کے ساتھ اور زیادہ کیونکہ) اُس کی ماں نے اُس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور (پھر) بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اُس کو پیٹ میں رکھنا اور اسکا دودھ چھڑانا (اکثر) تیس مہینہ (میں پورا ہوتا) ہے۔ (اتنے دنوں طرح طرح کی مصیبت اُٹھاتی ہے اور کم و بیش ان مصیبتوں میں باپ کی بھی شرکت ہوتی ہے بلکہ اکثر امور کا انتظام عادتاً باپ ہی کو کرنا پڑتا ہے اور اپنے آرام میں خلل آجانا یہ دونوں کو مساوی طور پر پیش آتا ہے اسلئے بھی ماں باپ کا حق انسان پر زیادہ واجب کیا گیا ہے۔ غرض اسکے بعد نشو و نما پاتا ہے) یہاں تک کہ جب (نشو و نما پاتے پاتے) اپنی جوانی کو (یعنی بلوغ کو) پہنچ جاتا ہے اور (پھر بلوغ کے بعد ایک زمانہ میں) چالیس برس (کی عمر) کو پہنچتا ہے تو (جو سعادت مند ہوتا ہے وہ) کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی اُن نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپنے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (اگر ماں باپ مسلمان ہیں تب تو دین کی نعمت بھی، ورنہ دُنیا کی نعمت تو ظاہر ہی ہے اور ماں باپ کی نعمت کا اثر اولاد پر بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ اُن کا وجود و بقا جو دنیاوی نعمت ہے اس کی بدولت تو خود اولاد کا وجود ہی ہوتا ہے اور دینی نعمت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت اُنکے لئے علم و عمل کا ذریعہ بنتی ہے) اور (وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھ کو اس کی بھی پابندی نصیب کیجئے کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے (نفع کے) لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے (دُنیاوی نفع یہ کہ دیکھ دیکھ کر راحت ہو اور دینی نفع یہ کہ اجر و ثواب ہو اور) میں آپ کی جناب میں (گناہوں سے بھی) توبہ کرتا ہوں اور میں (آپ کا) فرمانبردار ہوں (مقصود اس سے اپنی غلامی کا اقرار ہے نہ کہ دعویٰ۔ آگے ان اعمال کا نتیجہ فرماتے ہیں کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم انکے نیک کاموں کو قبول کر لیں گے اور انکے گناہوں سے درگزر کر دیں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہونگے (اور یہ سب) اُس وعدۂ صادقہ کیوجہ سے (ہوا) جس کا اُن سے (دُنیا میں) وعدہ کیا جاتا تھا (یہاں تک تو مومنین اور خوش بخت لوگوں کا بیان ہوا۔ آگے ظالم اور بدبخت لوگوں کا ذکر ہے یعنی) اور جس نے (حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پامال کر دیا جیسا اُسکے اس حال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے) اپنے ماں باپ سے کہا (جن کے حق کی حقوق العباد میں سب سے زیادہ تاکید ہے خصوصاً جبکہ وہ مسلمان بھی ہوں اور خصوصاً جبکہ وہ اسکو بھی اسلام کی دعوت دے رہے ہوں) کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ (یعنی خبر) دیتے ہو کہ میں (قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر) قبر سے

نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر گئیں (جن کو ہر زمانے میں انکے پیغمبر یوں ہی خبریں دیتے چلے آئے مگر آجتک کسی بات کا ظہور نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں) اور وہ دونوں (غریب ماں باپ اسکے اس انکار سے کہ جو کفر عظیم ہے گھبرا کر) اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور نہایت درد مندی سے اس سے کہہ رہے ہیں) کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا (اور قیامت کو بھی برحق سمجھ) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ (اس پر بھی) کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں (مطلب یہ کہ ایسا بدنصیب ہے کہ کفر اور ماں باپ سے بدسلوکی دونوں کا مرتکب ہے، اور بدسلوکی بھی اس درجہ کی کہ ماں باپ کی مخالفت کے ساتھ اُن سے کلام میں بھی بدتمیزی کرتا ہے۔ آگے ان اعمال کا نتیجہ فرماتے ہیں کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (یعنی وعدۂ عذاب) پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان (کفار) ہو گزرے ہیں بیشک یہ (سب) خسارہ میں رہے۔ اور (آگے مذکورہ بالا تفصیل کو خلاصۂ اجمال کے طور پر فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں فریقوں میں سے) ہر ایک (فریق) کے لئے انکے (مختلف) اعمال کیوجہ سے الگ الگ درجے (کسی کو جنت کے کسی کو دوزخ کے) ملیں گے اور (مختلف درجے اسلئے ملیں گے) تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو اُن کے اعمال (کی جزا) پوری کردے اور اُن پر (کسی طرح کا) ظلم نہ ہوگا اور (اوپر محسنین کی جزا میں تو جنت کو متعین طور سے بیان کر دیا گیا تھا مگر ظالمین کا عذاب متعین کر کے نہیں بتایا گیا تھا اجمالاً فرما دیا تھا حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ اور كَانُوْا خٰسِرِيْنَ اس لئے آگے عذاب کی تعیین فرماتے ہیں کہ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے۔ جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دُنیوی زندگی ہی میں حاصل کر چکے (یہاں کوئی لذت تم کو نصیب نہ ہوگی) اور انکو خوب برت چکے (حتیٰ کہ اُن میں پڑ کر ہمکو بھی بھول گئے) سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی (چنانچہ سزا کے لئے آگ ہے اور ذلت میں سے یہ ملامت اور پھٹکار ہے) اسوجہ سے کہ تم دُنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے (تکبر سے مُراد ایسا تکبر ہے جو ایمان سے باز رکھے کیونکہ دائمی عذاب اُسی کے ساتھ خاص ہے) اور اسوجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے (اسمیں کفر فسق ظلم اور انکی تمام صورتیں داخل ہوگئیں)۔

معارف و مسائل

مذکور الصدر آیات میں پہلی دو آیتیں تو پچھلے ہی کلام کا تکملہ ہے جو اس سے پہلی آیات میں آیا ہے کہ ظالموں کے لئے وعید عذاب اور مؤمنین صالحین کے لئے فوز و فلاح کی خوشخبری تھی۔ پہلی آیت یعنی إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں بڑی بلاغت کے ساتھ پورے اسلام و ایمان اور اعمال صالحہ سب کو جمع کر دیا گیا۔ رَبُّنَا اللّٰهُ کا اقرار پورا ایمان ہے اور اسپر استقامت

میں ایمان پر تادم مرگ قائم رہنا بھی شامل ہے اور اسکے مقتضیات پر پورا پورا عمل بھی۔ لفظ استقامت اور اسکی اہمیت کی تشریح و تفصیل سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بیان ہو چکی ہے۔ آیت مذکورہ میں اہل ایمان استقامت پر یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ آئندہ کسی تکلیف و پریشانی کا خوف ہوگا نہ ماضی کی تکلیف پر رنج و افسوس رہے گا۔ بعد کی آیت میں اس بے نظیر راحت کے دائمی اور غیر منقطع ہونے کی بشارت دی گئی ہے اسکے بعد کی چار آیتوں میں انسان کو اسکے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت اور اسکے خلاف کرنے کی مذمت اور ضمن میں انسان پر اسکے ماں باپ کے احسانات کا اور اولاد کے لئے سخت محنت و مشقت برداشت کرنے کا تذکرہ، اور بڑی عمر کو پہنچنے کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت کی خاص تلقین فرمائی گئی ہے۔ سابقہ آیات سے اسکی مناسبت اور ربط بقول ابن کثیرؒ یہ ہے کہ قرآن کریم کا عام اسلوب یہ ہے کہ وہ جہاں انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کیطرف دعوت دیتا ہے تو ساتھ ساتھ ہی والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اور خدمت و اطاعت کے احکام بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات مختلف سورتوں میں اسپر شاہد ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں بھی اللہ کی توحید کی دعوت کے ساتھ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا ذکر کیا گیا۔ اور قرطبیؒ نے بحوالہ قشیریؒ وجہ ربط یہ بیان کی ہے کہ اسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک تسلی کا پہلو ہے کہ آپ ایمان و توحید کی دعوت دیتے رہیں کوئی قبول کرے گا کوئی نہ کرے گا اس سے مغموم نہ ہوں کیونکہ انسان کا حال یہی ہے کہ وہ سب اپنے والدین کے ساتھ بھی یکساں نہیں رہتے بعض اچھا سلوک کرتے ہیں اور بعض انکے ساتھ بھی بدسلوکی کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

بہرحال ان چار آیتوں میں اصل مضمون انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین کرنا ہے اور ضمناً دوسری تعلیمات آئی ہیں۔ اگرچہ بعض روایات حدیث سے ان آیات کا حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور اسی بنا پر تفسیر مظہری نے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ میں الانسان کے الف لام کو عہد کا قرار دے کر اس سے مُراد صدیق اکبرؓ کو قرار دیا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی آیت قرآن کا سبب نزول کوئی خاص فرد یا خاص واقعہ ہو تو پھر بھی حکم سب کے لئے عام ہی ہوتا ہے۔ شانِ نزول خاص صدیق اکبرؓ ہوں اور تخصیصات مندرجہ آیات انھیں کی صفات ہوں جب بھی مقصود آیات کا تعلیم عام ہی ہے۔ اور اگر اصل آیات کو عام تعلیم قرار دیا جائے، اسمیں بھی صدیق اکبرؓ اس تعلیم کے پہلے مصداق قرار پائیں گے، جوان ہونے اور چالیس سال عمر ہونے کے بعد کی جو تخصیصات ان آیات میں مذکور ہیں وہ تخصیصات بطور تمثیل کے ہونگی اب آیات مذکورہ کے خاص خاص الفاظ کی تشریح دیکھئے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، لفظ وصیت تاکیدی حکم کے معنی میں آتا ہے اور احسان بمعنے حُسنِ سلوک ہے جس میں ان کی خدمت و اطاعت بھی داخل ہے اور تعظیم و تکریم بھی۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا، لفظ کُرْھًا بضم الکاف اُس مشقت کو کہتے ہیں جو انسان کو کسی وجہ سے برداشت کرنا پڑے اور کَرْھًا بفتح کاف اس محنت و مشقت کا نام ہے جس پر اُسکو کوئی دوسرا آدمی مجبور کرے، اسی سے اکراہ مشتق ہے۔ پہلے جملے میں جو والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے یہ دوسرا جملہ اُس کی تاکید کے لئے ہے کہ والدین کی خدمت و اطاعت ضروری ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے تمھاری پیدائش سے لیکر جوانی تک تمھارے لئے بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، خصوصاً ماں کی محنت و مشقت بہت ہی نمایاں ہے اسلئے یہاں بیان صرف ماں کی مشقت کا کیا گیا ہے کہ اُسنے ایک طویل مدت نو ماہ اپنے پیٹ میں تم کو اُٹھائے رکھا جس میں اسکو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، پھر ولادت کے وقت سخت درد اور تکلیف کے ساتھ تمھارا وجود اس دُنیا میں آیا۔

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے شروع آیت میں حُسنِ سلوک کا حکم ماں اور باپ دونوں کے لئے ہے مگر اس جگہ صرف ماں کی محنت و مشقت کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی محنت و مشقت لازمی اور ضروری ہے۔ حمل کے زمانے کی تکلیفیں، پھر وضعِ حمل اور دردِ زہ کی تکلیف ہر حال ہر بچے کے لئے لازمی ہے جو صرف ماں ہی کی محنت ہے، باپ کے لئے پرورش پر محنت اُٹھانا اتنا لازمی و ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی باپ کو اولاد کی تربیت میں کوئی بھی محنت مشقت اُٹھانی پڑے جبکہ وہ مالدار صاحبِ حشم و خدم ہو، دوسروں سے اولاد کی خدمت لے یا وہ کسی دوسرے ملک میں چلا گیا اور خرچ بھیجتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاد پر ماں کے حق کو سب سے زیادہ رکھا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے صِلْ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ (مظہری) یعنی صلہ رحمی اور خدمت کرو اپنی ماں کی، پھر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی، اسکے بعد اپنے باپ کی اور اسکے بعد جو قریب تر رشتہ دار ہو اسکی، پھر جو اسکے بعد ہو۔

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا، اس جملہ میں بھی ماں کی محنت و مشقت ہی کا بیان ہے کہ بچے کے حمل اور وضعِ حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت سے فراغت نہیں ملتی کیونکہ اسکے بعد بچے کی غذا بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اُتاری ہے وہ اسکو دُودھ پلاتی ہے۔ آیت میں ارشاد یہ فرمایا کہ بچے کا حمل اور دُودھ چھُڑانا تیس ۳۰ مہینے میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال فرمایا کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ کی ہے کیونکہ قرآنِ کریم نے اکثر مدتِ رضاع تو دو سال کامل متعین فرما دیے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ، اور یہاں حمل اور رضاع دونوں کی مدت تیس ۳۰ ماہ قرار دی گئی

تو مدتِ رضاع کے دو سال یعنی چوبیس ۲۴ مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہ جاتے ہیں جس کو کم سے کم مدتِ حمل قرار دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں ایک عورت کے بطن سے چھ ماہ ہو جانے پر بچہ پیدا ہو گیا جبکہ عام عادت نو مہینے میں اور کم سے کم سات مہینے میں بچہ پیدا ہونے کی ہے۔ عثمان غنی رضؓ نے اسکو حمل ناجائز قرار دیکر سزا کا حکم دیدیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اطلاع ملی تو انھوں نے حضرت عثمان رضؓ کو اس سزا سے منع کیا اور فرمایا کہ قرآن میں حمل اور رضاع کی مجموعی مدت تیس ۳۰ ماہ ہے پھر رضاع کی مدت کا چوبیس ماہ ہونا دوسری جگہ متعین کر دیا ہے اسلئے باقیماندہ مدت چھ ماہ ہی حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ عثمان غنی رضؓ نے انکے استدلال کو قبول کر کے اپنا حکم واپس لے لیا (قرطبی)

اسی لئے کم سے کم مدتِ حمل کے بارے میں تمام اُمت کے ائمہ متفق ہیں کہ وہ چھ ماہ ہو سکتی ہے اکثر مدت کتنی ہے اسمیں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں قرآن نے اسکے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا۔

فائدہ اس آیت میں حمل کی تو اقل مدت کا بیان کیا گیا اور رضاع کی اکثر مدت کا اس میں اشارہ ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ متعین ہے اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہو سکتا مگر زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ بچہ حمل میں رہ سکتا ہے اسمیں عادتیں مختلف ہیں یہ متعین نہیں اسی طرح رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین ہے کہ دو سال تک دودھ پلایا جا سکتا ہے کم سے کم مدت کچھ متعین نہیں۔ بعض عورتوں کے دودھ ہوتا ہی نہیں، بعض کا دودھ چند مہینوں میں خشک ہو جاتا ہے، بعض بچے ماں کا دودھ زیادہ نہیں پیتے یا اُن کو مُضر ہوتا ہے تو دوسرا دودھ پلانا پڑتا ہے۔

اکثر مدتِ حمل اور اکثر مدتِ رضاع میں فقہائے اُمت کا اختلاف اکثر مدتِ حمل امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو سال ہیں، امام مالکؒ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ چار سال، پانچ سال، سات سال۔ امام شافعی رحؒ کے نزدیک چار سال، امام احمدؒ کی بھی مشہور روایت چار ہی سال کی ہے (مظہری) اور اکثر مدتِ رضاعت جس کے ساتھ حرمتِ رضاعت کے احکام متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاءؒ کے نزدیک دُو سال ہیں۔ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور ائمہ حنفیہ میں سے ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سب اسپر متفق ہیں، اور صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ و ابن عباسؓ کا بھی یہ قول ہے (رواہ الدار قطنی) علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی یہی ارشاد ہے (اخرجہ ابن ابی شیبہ) صرف امام اعظم ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے جسکا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا کوئی غذا دو سال تک بھی نہ لیتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدتِ رضاعت

پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے مگر فتویٰ فقہائے حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ دو سال کی مدت کے بعد اگر دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمتِ رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہونگے۔ سیدی حضرت حکیم الامت نے بیان القرآن میں فرمایا کہ اگرچہ فتویٰ جمہور کے قول پر ہے مگر عمل میں احتیاط کرنا بہتر ہے کہ ڈھائی سال کی مدت کے اندر جس بچہ کو دودھ پلایا گیا ہے اس سے مناکحت میں احتیاط برتی جائے۔ بعض حضرات نے آیت وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سے امام اعظمؒ کے قول کے مطابق اکثر مدتِ رضاعت ڈھائی سال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر مظہری میں فرمایا کہ یہ درست نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت علی مرتضیٰؓ عثمان غنیؓ نے آیت کی تفسیر یہ متعین کر دی ہے کہ اسمیں چھ ماہ اقل مدت حمل کے اور چوبیس ماہ مدت رضاعت کے مراد ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن کریم نے حمل اور رضاعت کی مشترک مدت تیس ماہ بتلائی ہے ہر ایک کی الگ الگ حد نہیں بتلائی اسکا سبب یہ ہے کہ عادتِ عامہ یوں ہے کہ بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے اور جب بچہ پورے نو ماہ میں پیدا ہو تو ماں کا دودھ پلانے کی ضرورت صرف اکیس ماہ رہ جاتی ہے اور اگر بچہ سات مہینے میں پیدا ہو جائے تو تیئس ماہ دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو چوبیس ماہ یعنی پورے دو سال دودھ پلانے کی ضرورت ہوگی (مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ، لفظ اَشُد کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔ سورۂ انعام میں حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ کے تحت میں اس کی تفسیر بلوغ سے کی گئی ہے یعنی جب بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بلوغ اَشُد سے مراد اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ مذکور الصدر آیت میں بھی بعض حضرات نے بَلَغَ اَشُدَّهٗ کے معنی یہی کئے ہیں کہ بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے اور اسکے بعد بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کو ایک مستقل منزل عمر قرار دیا۔ یہ قول شعبیؒ اور ابن زیدؒ کا ہے اور حسن بصریؒ نے بلوغ اشد اور بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ دونوں کو ہم معنی اور بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ کو بَلَغَ اَشُدَّهٗ کی تفسیر و تاکید قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ اول بچے کے حمل کا پھر وضع حمل کا پھر دودھ پینے کے زمانے کا ذکر کرنے کے بعد حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ فعاش واستمرت حیاته حتّٰی اذا اکتهل واستحکم قوته وعقله (روح) یعنی دودھ چھوٹنے کے بعد بچہ زندہ رہا اور عمر پائی یہاں تک کہ وہ بالغ اور قوی ہو گیا اور اس کی قوت اور عقل مکمل ہو گئی تو اب اسکو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ یوں دعائیں مانگنے لگا کہ،

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ، یعنی

اے میرے پالنے والے مجھے توفیق عطا کر میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تونے مجھ پر مبذول فرمائی اور جو میرے والدین پر مبذول فرمائی اور مجھے یہ توفیق دے کہ میں وہ عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لئے میری اولاد کی بھی اصلاح فرمائے، میں تیری طرف رجوع ہوتا ہوں اور میں تیرے تابع فرمان مسلمانوں میں سے ہوں۔ قرآن نے اس جگہ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ سے لیکر مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ تک سب صیغے ماضی کے استعمال فرمائے جس سے ظاہر یہ ہے کہ یہ بیان کسی خاص واقعہ اور خاص شخص کا ہے جو نزول آیت کے وقت ہو چکا ہے۔ اسی لئے تفسیر مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہیں انھیں کا بیان بالفاظ عام اس حکمت سے کیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسکی ترغیب ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جو قرطبیؒ نے بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اپنی بیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کے مال سے تجارت کا قصد فرمایا اور ملک شام کا سفر کیا تو اس سفر میں ابوبکر صدیقؓ آپکے ساتھ تھے اسوقت اُن کی عمر اٹھارہ سال کی تھی جو مصداق ہے بَلَغَ اَشُدَّهٗ کا۔ پھر اس سفر میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے حالات دیکھے کہ وہ اتنے گرویدہ ہو گئے کہ سفر سے واپسی کے بعد ہر وقت آپکے ساتھ رہنے لگے، یہاں تک کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو گئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا شرف عطا فرمایا اُسوقت ابوبکرؓ کی عمر اڑتیس سال تھی۔ مردوں میں سب سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا پھر جب اُن کی عمر چالیس سال کی ہو گئی اسوقت یہ دعا مانگی جو اوپر آیت میں مذکور ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ، اور یہی مصداق ہے بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کا اور جب یہ دعا مانگی اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ تو اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی، اُن کو نو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی توفیق بخشی جو مسلمان ہو گئے تھے اور اُن کے مالک اُن کو اسلام لانے پر طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے، اسی طرح اُن کی دعا اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ بھی قبول ہوئی، اُن کی اولاد میں کوئی ایسا نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ میں یہ خصوصیت حق تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ ہی کو عطا فرمائی کہ وہ خود بھی مسلمان ہوئے، والدین بھی، اولاد بھی اور سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار میں اسوقت یہ خصوصیت صرف صدیق اکبرؓ کی ہی تھی کہ وہ خود بھی مسلمان ہوئے اور انکے والدین بھی مسلمان ہو گئے۔ رہا یہ سوال کہ صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہؓ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور یہ سورت پوری مکی ہے اسلئے یہ آیات بھی مکہ میں نازل ہوئیں اسوقت والدین پر نعمتِ الٰہی مبذول ہونے کا ذکر کیسے مناسب ہوگا؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ بعض حضرات نے ان آیات کو مدنی کہا ہے اسپر تو کوئی اشکال نہیں رہتا، اور اگر مکی بھی ہوں تو مراد نعمت اسلام سے مشرف

ہونے کی دُعا ہوگی (روح) اس تفسیر کی رُو سے اگرچہ یہ سب حالات صدیق اکبرؓ کے بیان ہوئے مگر حکم عام ہے سب مسلمانوں کو اس کی ہدایت کرنا مقصود ہے کہ آدمی کی عمر جب چالیس سال کے قریب ہو جائے تو اس کو آخرت کی فکر غالب ہو جانی چاہیئے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کی تجدید کرے اور آئندہ کے لئے اُن سے بچنے کا پُورا اہتمام کرے کیونکہ عادت اور تجربہ یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو اخلاق و عادات کسی شخص کی ہو جاتی ہیں پھر اُن کا بدلنا مشکل ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مؤمن جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا حساب آسان فرما دیتے ہیں اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو اپنی طرف رجوع و انابت نصیب فرما دیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جائے تو تمام آسمان والے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے حسنات کو قائم فرما دیتے ہیں اور اسکے سیئات کو مٹا دیتے ہیں، اور جب نوّے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسکے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دیدیتے ہیں اور آسمان میں اس کے نام کے ساتھ لکھدیا جاتا ہے کہ یہ اسیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ کیطرف سے قیدی ہے (ذکرہ ابن کثیر عن ابی یعلیٰ و مسند احمد وغیرہ) اور یہ ظاہر ہے کہ مراد اس سے وہی بندۂ مؤمن ہے جس نے اپنی زندگی احکام شرع کے تابع ہو کر تقویٰ کے ساتھ گزاری ہے۔ ابن کثیرؒ نے چونکہ پہلی تفسیر کو اختیار کیا ہو کہ مراد عام انسان ہیں تو جو الفاظ خصوصیت کے اسمیں آئے ہیں جیسے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً الخ وہ سب بطور تمثیل کے ہیں جنمیں یہ ہدایت دینا مقصود ہے کہ انسان جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسکو اپنی اصلاح اور اپنے اہل و عیال کی اصلاح اور آخرت کی فکر غالب ہو جانی چاہیئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ، یعنی ایسے مؤمن مسلمان جن کے یہ حالات ہوں جو اوپر گزرے ہیں انکی حسنات قبول کر لی جاتی ہیں اور گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ حکم بھی عام ہے، اگر اسکے سبب نزول صدیق اکبرؓ ہوں تو وہ اسکے پہلے مصداق ہونگے۔ حضرت علیؓ کے ارشاد ذیل سے بھی آیت کے مفہوم کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں سند کے ساتھ محمد ابن حاطبؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر تھا، اسوقت انکے پاس کچھ دوسرے حضرات بھی موجود تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر کچھ عیب لگائے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

کان عثمان رضی اللہ عنہ من الذین قال اللہ تعالیٰ فیہم اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا	عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ

وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ، قال واللہ عثمان واصحابہ، عثمان رضی اللہ عنہم، قالہا ثلاثاً (ابن کثیرؒ)	عنہم احسن ما عملوا و نتجاوز عن سیاٰتہم فی اصحٰب الجنۃ وعد الصدق الذی کانوا یوعدون، بخدا اس آیت کے مصداق حضرت عثمانؓ اور انکے ساتھی ہیں۔ یہ بات حضرت علیؓ نے تین مرتبہ فرمائی۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ سابقہ آیت میں والدین کی خدمت و اطاعت کے احکام تھے اس آیت میں اس شخص کا عذاب و سزا مذکور ہے جو اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی، بدزبانی سے پیش آئے خصوصاً جبکہ والدین اسکو اسلام اور اعمال صالحہ کیطرف دعوت دیتے ہوں اُنکی بات نہ ماننا دوہرا گناہ ہے۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ مفہوم آیت کا عام ہے جو شخص بھی اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے وہ اسکا مصداق ہے مروان نے جو اس آیت کا مصداق حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو اپنے کسی خطبے میں کہا تھا اسکی تکذیب صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ مفہوم آیت کا عام ہے کسی صحیح روایت میں کسی فرد کا مصداق آیت ہونا منقول نہیں۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا، یعنی کفار کو خطاب کر کے یہ کہا جائیگا کہ تمنے اگر کچھ اچھے کام دُنیا میں کئے تھے تو اُن کا بدلہ بھی تمہیں دُنیوی نعمتوں اور عیش و عشرت کی صورت میں دیا جا چکا ہے اب آخرت میں تمہارا کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔ یہ خطاب کفار کو ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نیک اعمال جو ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مقبول نہیں آخرت میں تو انکی کوئی قیمت نہیں مگر دُنیا میں اللہ تعالیٰ انکا بدلہ اسکو دیدیتے ہیں۔ کفار فجار کو مال و دولت اور عزت و جاہت وغیرہ جو دُنیا میں ملتا ہے وہ انکے نیک اعمال سخاوت، ہمدردی، سچائی وغیرہ کا بدلہ ہوتا ہے۔ مؤمنین کیلئے یہ حکم نہیں ہے کہ اگر انکو دُنیا میں کوئی نعمت مال و دولت وغیرہ ملجائیں تو آخرت کے حق سے محروم ہو جائیں۔

لذائذ دُنیا اور تنعم سے پرہیز کی ترغیب اس آیت میں کفار کو عتاب و عقاب انکے دُنیوی لذتوں میں انہماک رہنے کی بنا پر کیا گیا۔ اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ نے لذائذ دُنیا کو ترک کرنے کی عادت بنائی جیسا کہ انکی سیرت اسپر شاہد ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ دُنیا کے تنعم سے پرہیز کرتے رہنا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے تھوڑا رزق لینے پر راضی ہو جائے تو اللہ تعالےٰ بھی اسکے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں (مظہری عن البغویؒ)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ

اور یاد کر عاد کے بھائی کو جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے

مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ

اس کے آگے سے اور پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوائے میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا

تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی بولے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس کہ پھیر دے ہم کو ہمارے معبودوں سے سو لے آ

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ

ہم پر جو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو سچا کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا

اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیج دیا میرے ہاتھ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو پھر جب

رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ

دیکھا اس کو ابر سامنے آیا ان کے نالوں کے بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ

کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے، ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک اکھاڑ پھینکے ہر

شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

چیز کو اپنے رب کے حکم سے، پھر کل کو رہ گئے کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے انکے گھروں کے، یوں ہم سزا دیتے ہیں

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا

گنہگار لوگوں کو اور ہم نے مقدور دیا تھا ان کو ان چیزوں کا جن کا تمکو مقدور نہیں دیا اور دیے انکو

لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـــِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ

دیئے تھے کان اور آنکھیں اور دل پھر کام نہ آئے ان کے کان انکے اور نہ

اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـــِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ

آنکھیں ان کی اور نہ دل ان کے کسی چیز میں اس لئے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں

اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ۧ

سے اور الٹ پڑی ان پر جس بات سے کہ وہ ٹھٹھا کرتے تھے

خلاصۂ تفسیر

اور آپ قوم عاد کے بھائی (یعنی ہود علیہ السلام) کا (ان سے) ذکر کیجئے جبکہ انھوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خمدار تودے تھے (یہ مقام کی نشان دہی اس لئے کی گئی کہ دیکھنے والوں کے ذہن میں استحضار ہو جائے) اس (بات) پر (عذاب الٰہی سے)

ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو (ورنہ تم پر عذاب نازل ہوگا) اور (یہ ایسی ضروری اور صحیح بات ہے کہ) اُن (ہود علیہ السلام) سے پہلے اور اُن کے پیچھے (اسی مضمون کے متعلق) بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گزر چکے ہیں (اور عجب نہیں کہ ہود علیہ السلام نے اُن سب کا متفق ہونا دعوت الی التوحید میں اُن کے سامنے بیان بھی کیا ہو، پس جملہ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ کا بیچ میں بڑھا دینا ان فوائد کے لئے ہے کہ مضمون دعوت کی تاکید ہو جائے اور ہود علیہ السلام نے انذار میں یہ فرمایا کہ) مجھ کو تم پر ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے (اگر اس سے بچنا ہے تو توحید قبول کر لو) وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادے سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو سو (ہم تو پھیرنے والے ہیں نہیں بلکہ) اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اُس کو ہم پر واقع کر دو۔ انھوں نے فرمایا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے (کہ عذاب کب تک آوے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دیکر بھیجا گیا ہے میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں (چنانچہ اُس میں مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ تم پر عذاب آویگا میں نے تم کو اطلاع کر دی، اس سے زیادہ نہ مجھ کو علم ہے اور نہ قدرت) لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو (کہ ایک تو توحید کو قبول نہیں کرتے پھر اپنے منہ سے بلا مانگتے ہو، پھر مجھ سے اس کی فرمائش کرتے ہو البتہ اپنے صدق کا میں مدعی ہوں جس پر دلیل قائم کر چکا ہوں اور جس واقعہ میں تم کو شبہ ہے اس کا وقت وقوع مجھ کو نہیں بتلایا گیا ہاں نفس وقوع کو جب اللہ چاہے دیکھ لینا۔ غرض جب کسی طرح انھوں نے حق کو قبول نہ کیا تو اب عذاب کا اس طرح سامان شروع ہوا کہ اول ایک بادل اُٹھا) سو ان لوگوں نے جب اُس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ارشاد ہوا کہ) نہیں (برسنے والا بادل نہیں) بلکہ یہ وہی (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (کہ وہ عذاب جلدی لاؤ اور اس بادل میں) ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ (آندھی) ہر چیز کو (جس کے ہلاک کرنے کا حکم ہوگا) اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دیگی چنانچہ (وہ آندھی چلی اور آدمیوں کو اور مواشی کو اٹھا اٹھا کر پٹک دیتی تھی جس سے) وہ ایسے (تباہ) ہو گئے کہ بجز اُن کے مکانات کے اور کچھ (آدمی اور حیوان) نہ دکھلائی دیتا تھا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں اور ہم نے اُن کو (یعنی قوم عاد کے) لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی (مراد ان باتوں سے وہ تصرفات ہیں جو قوت جسمانی و مالی پر موقوف ہیں) اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل (سب ہی کچھ) دیئے تھے، سو چونکہ وہ لوگ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اسلئے (جب اُن پر عذاب آیا ہے تو) نہ اُنکے کان اُنکے ذرا کام آئے اور نہ اُنکی آنکھیں اور نہ اُنکے دل اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اُڑایا کرتے تھے اُسی نے اُن کو آ گھیرا (یعنی نہ اُنکے حواس اُنکو عذاب سے بچا سکے اور نہ اُن کی تدبیر جسکا ادراک قلب سے ہوتا ہے، نہ ان کی قوت پس تمہاری تو کیا حقیقت ہے۔)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم غارت کر چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں اور طرح طرح سے پھیر کر سنائیں ان کو باتیں تاکہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا

لوٹ آئیں پھر کیوں نہ مدد پہنچی اُن کو اُن لوگوں کی طرف سے جن کو پکڑا تھا اللہ سے ورے معبود نزدیکی

اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

درجے پانے کو، کوئی نہیں گم ہوگئے اُن سے اور یہ جھوٹ تھا ان کا اور جو اپنے جی سے باندھتے تھے۔

خلاصۂ تفسیر ربط آیات اوپر قوم عاد کا قصہ تفصیلاً مذکور تھا، آگے دوسری ایسی ہی قوموں کا ذکر ہے جن پر کفر اور مخالفت انبیاء کی وجہ سے عذاب آئے اور ہلاک ہوئے اُن کی اُجڑی ہوئی بستیاں بھی اہل مکہ کے سفروں کے وقت راستے میں آتی تھیں ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ان کا اجمالی حال آیات مذکورہ میں آیا ہے۔

اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی (اس کفر و شرک کے سبب) غارت کی ہیں (جیسے ثمود قوم لوط کہ ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزرتے تھے اور چونکہ مکہ سے ایک طرف یمن ہے دوسری جہت میں شام ہے اس لئے مَا حَوْلَكُمْ فرمادیا) اور ہم نے (ہلاک کرنے سے پہلے ان کی فہمائش کیلئے) بار بار اپنی نشانیاں (اُن کو) بتلادی تھیں تاکہ وہ (کفر و شرک سے) باز آئیں (مگر باز نہ آئے اور ہلاک ہوئے) سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انھوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا (کہ یہ مصیبت میں ہمارے کام آویں گے ہلاکت و عذاب کے وقت) انھوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ سب اُن سے غائب ہوگئے اور وہ (معبود اور شفیع سمجھنا) محض اُن کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے (اور کہیں واقع میں وہ شفیع یا معبود تھوڑا ہی تھے)۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

اور جس وقت متوجہ کر دیے ہم نے تیری طرف کتنے ایک لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن پھر جب وہاں پہنچ گئے

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا

بولے چپ رہو پھر جب ختم ہوا اُلٹے پھرے اپنی قوم کو ڈر سناتے ہوئے بولے

يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اے قوم ہماری ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے موسیٰ کے بعد سچا کرنے والی سب اگلی

يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا

کتابوں کو سمجھاتی ہے سچا دین اور ایک راہ سیدھی اے قوم ہماری مانو اللہ کے

دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ کہ بخشے تم کو کچھ تمہارے گناہ اور بچا دے تم کو ایک عذاب دردناک

اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ

سے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور

لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

کوئی نہیں اسکا اس کے سوائے مددگار وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح

خلاصۂ تفسیر

اور (اُن سے اسوقت کا قصہ ذکر کیجئے) جبکہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو (اخیر میں یہاں پہنچکر) قرآن سُننے لگے تھے غرض جب وہ لوگ قرآن (کے پڑھے جانے کے موقع) کے پاس آپہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو (اور اس کلام کو سنو) پھر جب قرآن پڑھا جاچکا (یعنی جتنا اسوقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں پڑھنا تھا ختم ہوچکا) تو وہ لوگ (اُسپر ایمان لے آئے اور) اپنی قوم کے پاس (اسکی خبر پہنچانے کے واسطے) واپس گئے (اور جاکر ان سے) کہنے لگے اے بھائیو ہم ایک (عجیب) کتاب سُنکر آئے ہیں جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور دین) حق اور راہِ راست کیطرف رہنمائی کرتی ہے (یہ تو دین اسلام کی حقانیت کا اثبات و اظہار ہے، آگے امر ہے اس کے قبول کرنے کا اول ترغیباً پھر ترہیباً یعنی) اے بھائیو تم اللہ کیطرف بلانے والے کا کہنا مانو (مراد داعی سے قرآن یا نبی ذیشان ہیں) اور (کہنا ماننا یہ ہے کہ) اُس پر ایمان لے آؤ (اسمیں اشارہ ہوگیا کہ وہ ایمان لانے کی طرف داعی ہے نہ کہ اور کسی دُنیوی غرض کیطرف اسپر اگر تم ایسا کروگے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردیگا اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھیگا اور جو شخص اللہ کیطرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر خدا کو) ہرا نہیں سکتا (یعنی اس طرح کہ ہاتھ نہ آئے) اور (جیسا وہ خود نہیں بچ سکتا اسی طرح) خدا کے سوا اور کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا (کہ وہ اس کو بچا سکے اور) ایسے لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں (کہ باوجود قیام دلائل کے داعی کے حق ہونے پر پھر بھی اُس کی اجابت نہ کریں)۔

معارف ومسائل

کفارِ مکہ کو سُنانے کے لئے اس سے پہلی آیات میں کفر اور استکبار کی مذمت اور اُن کا ہلاک ہونا بیان ہوا ہے۔ مذکور الصدر آیات میں اہلِ مکہ کو عار دلانے کے لئے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان

کیا گیا ہے کہ جنات تو تکبر و غرور میں تم سے بھی زیادہ ہیں مگر قرآن سُن کر اُنکے دل بھی موم ہوگئے وہ مسلمان ہوگئے تمھیں تو اللہ تعالیٰ نے جنات سے زیادہ عقل و شعور بخشا ہے مگر اسکے باوجود تم ایمان نہیں لاتے اور واقعہ جنات کے قرآن سُننے اور ایمان لانے کا احادیث صحیحہ میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت جب جنات کو آسمانی خبریں سُننے سے روک دیا گیا تو آپکی نبوت و بعثت کے بعد جو جن آسمانی خبریں سُننے کے لئے اوپر جاتا تو اُس پر شہاب ثاقب پھینک کر دفع کر دیا جانے لگا۔

جنات میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اسکا سبب معلوم کرنا چاہیے کہ کونسا نیا واقعہ دنیا میں ہوا ہے جسکی وجہ سے جنات کو آسمانی خبروں سے روک دیا گیا۔ جنات کے مختلف گروہ دُنیا کے مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گئے، ان کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ مقام بطن نخلہ میں تشریف فرما تھے اور سوق عکاظ کیطرف جانے کا قصد تھا۔ (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر خاص خاص ایام میں بازار لگاتے تھے جس میں ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے دُکانیں لگتیں اور اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے جیسے ہمارے زمانے میں اسی طرح کی نمائشیں جابجا ہوتی ہیں انھیں میں سے ایک بازار مقام عکاظ میں لگتا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غالباً دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جارہے تھے) اس مقام بطن نخلہ میں آپ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ وہ جنات یہاں پہنچے، قرآن سُن کر کہنے لگے کہ بس وہ نئی بات یہی ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے (رواہ الامام احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وجماعۃ عن ابن عباس رضؓ)

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جنات جب یہاں آئے تو باہم کہنے لگے کہ خاموش ہوکر قرآن سنو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسلام کی حقانیت پر یقین و ایمان لاکر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور اُن کو اس واقعہ کے اصلی سبب کی اور اس کی خبر دی کہ ہم تو مسلمان ہوگئے تم کو بھی چاہیے کہ ایمان لے آؤ، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سنکر ایمان لے آنے کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ سُورۂ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی (رواہ ابن المنذر عن عبدالملک)

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جنات مقام نصیبین کے رہنے والے تھے اور کُل نو یا بعض روایات کے مطابق سات تھے۔ جب اُنھوں نے اپنی قوم کو یہ خبر سُنائی اور ایمان لانے کی ترغیب دی تو پھر اُن میں سے تین سو اشخاص اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے (رواہ ابو نعیم والواقدی عن کعب الاحبار والروایات کلہا فی الروح) اور دوسری حدیثوں میں جنات کے آنے کی روایت دوسری طرح کی بھی آئی ہیں مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔

خفاجیؒ نے فرمایا کہ احادیث کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرنے کے واقعات چھ مرتبہ پیش آئے ہیں (کذا فی الروح واخذتہ عن بیان القرآن) اسی واقعہ کی تفصیل مذکور الصدر آیات میں بیان کی گئی ہے۔

كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى، اس میں بعدِ موسیٰ کی قید سے بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ یہ جنات یہودی تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی اسکا ذکر نہیں کیا لیکن اسکی کوئی صریح روایت تو ہے نہیں اور انجیل کا ذکر نہ کرنے سے اُن کے یہودی ہونے پر استدلال ناکافی ہے کیونکہ انجیل کے ذکر نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ انجیل اکثر احکام میں تورات کے تابع ہے اور قرآن مثل تورات کے مستقل کتاب ہے اسکے احکام و شرائع تورات سے بہت مختلف ہیں۔ تو یہ ہوسکتا ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہو کہ تورات جیسی کتاب مستقل قرآن ہی ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ حرف مِنْ اصل میں تبعیض یعنی جزئیت کے معنی کیلئے آتا ہے اگر یہی معنی یہاں لئے جاویں تو حرف مِنْ کے بڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلام قبول کرلینے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ اسلئے یہ فرمانا مناسب ہوا کہ بعض گناہ یعنی حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے اس حرف مِنْ کو زائد قرار دیا ہے تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا ان کے

بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

بنانے میں وہ قدرت رکھتا ہے کہ زندہ کرے مُردوں کو؟ کیوں نہیں وہ ہر چیز

قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ

کر سکتا ہے۔ اور جس دن سامنے لائیں منکروں کو آگ کے کیا یہ ٹھیک نہیں؟

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی، کہا تو چکھو عذاب بدلہ اسکا جو تم منکر ہوتے تھے

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ

سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول اور جلدی نہ کر اُن کے معاملہ میں

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ

یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اس چیز کو جسکا اُن سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ پہنچا دینا ہے، اب وہی غارت ہونگے جو لوگ نافرمان ہیں

خلاصۂ تفسیر

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر بدرجۂ اولیٰ، قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو (قیامت میں) زندہ کر دے (اور وہ اس پر قادر) کیوں نہ ہو، بے شک وہ (تو) ہر چیز پر قادر ہے (یہ تو امکان ثابت ہوا) اور جس روز (اس کا وقوع ہوگا اور) کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جاویں گے (اور ان سے پوچھا جاوے گا کہ) کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے (جیسا کہ دُنیا میں اس کی واقعیت کی نفی کیا کرتے تھے کما قال تعالیٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ) وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے ارشاد ہوگا (اچھا) اپنے کفر کے بدلہ میں (جس میں انکار دوزخ بھی آ گیا) اس (دوزخ) کا عذاب چکھو۔ (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے فرمایا کہ جب ان سے انتقام کفر کا لیا جانا معلوم ہوگیا) تو آپ (ویسا ہی) صبر کیجئے جیسا اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کیلئے (انتقام الٰہی کی) جلدی نہ کیجئے (جس کو آپ مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے چاہتے اور عجیب تر یہ ہے کہ وہ مستحقین عذاب خود جلد بازی کرتے ہیں اور عجیب تر ہونا ظاہر ہے کہ مدعی اگر مدعا علیہ کی سزا جلدی چاہے تو بعید نہیں لیکن مدعا علیہ اگر سزا جلدی چاہے تو نہایت امر غریب ہے سو گو حکمت الٰہیہ سے عذاب فوری نہیں ہوگا لیکن مشاہدہ کے وقت اُن پر اس کا وہی اثر ہوگا جو فوری عذاب کا ہوتا ہے کیونکہ) جس روز یہ لوگ اس چیز کو (یعنی عذاب کو) دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (اس وقت غایت شدت عذاب سے ایسا معلوم ہوگا کہ) گویا یہ لوگ (دُنیا میں) دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں (یعنی دنیا کی مدت طویلہ قصیر معلوم ہوگی اور یہی معلوم ہوگا کہ فوراً ہی عذاب آ گیا۔ آگے کفار کو تنبیہ ہے کہ) یہ (خدا کی طرف سے اتمام حجت کے لئے) پہنچا دینا ہے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہو چکا) سو (اس کے بعد) وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے۔ (کیونکہ بعد تبلیغ کے کوئی عذر نہ رہا اور رسول کا اس میں کوئی ضرر نہیں اس سے تاکید تسلیہ کی بھی ہوگئی)۔

معارف و مسائل

اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ میں مِنَ الرُّسُلِ کا حرف مِنْ محققین کے نزدیک بیانیہ ہے تبعیض کیلئے نہیں۔ معنی یہ ہیں کہ تمام رسول جو صاحب عزم و ہمت ہی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ صاحب عزم و ہمت ہونا سبھی انبیاء کی صفت ہے البتہ رسولوں کے درمیان صفات کے درجات میں تفاضل اور کمی بیشی خود قرآن کے ارشاد سے ثابت ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اس لئے جو انبیاء علیہم السلام صفت عزم و ہمت میں دوسروں سے زیادہ امتیاز رکھتے تھے اس ان رسولوں کیلئے یہ لقب کے طور پر مشہور ہوگیا اور ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے اور اکثر کا قول ہے کہ لقب اولو العزم جن کو دیا گیا ہے یہ حضرات ہیں جن کا ذکر سورۂ احزاب کی اس آیت میں ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عیش و عشرت اور تنعم محمد اور آلِ محمد کے شایان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اولو العزم سے بجز صبر کے اور کسی چیز پر راضی نہیں۔ اور مجھے بھی حکم دیا ہے کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔

تمت سورۃ الاحقاف بعون اللّٰہ للثانی والعشرین من رجب ۱۳۹۲ھ یوم السبت وللّٰہ الحمد

تفسیر معارف القرآن میں قرآنِ کریم کی سورتوں کی فہرست

نمبرشمار	نام سورہ	جلد نمبر	صفحہ نمبر
۱	سُوْرَةُ الْفَاتِحَة	۱	۷۲
۲	سُوْرَةُ الْبَقَرَة	〃	۱۰۳
۳	سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن	۲	۱۳
۴	سُوْرَةُ النِّسَآء	〃	۲۷۷
۵	سُوْرَةُ الْمَآئِدَة	۳	۹
۶	سُوْرَةُ الْاَنْعَام	〃	۲۷۹
۷	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف	〃	۵۱۴
۸	سُوْرَةُ الْاَنْفَال	۴	۱۷۱
۹	سُوْرَةُ التَّوْبَة	〃	۳۰۳
۱۰	سُوْرَةُ يُوْنُس	〃	۴۹۷
۱۱	سُوْرَةُ هُوْد	〃	۵۸۲
۱۲	سُوْرَةُ يُوْسُف	۵	۱۴
۱۳	سُوْرَةُ الرَّعْد	〃	۱۶۳
۱۴	سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم	〃	۲۱۷
۱۵	سُوْرَةُ الْحِجْر	〃	۲۷۸
۱۶	سُوْرَةُ النَّحْل	〃	۳۱۵
۱۷	سُوْرَةُ بَنِیْ اِسْرَآءِيْل	〃	۴۳۷
۱۸	سُوْرَةُ الْكَهْف	〃	۵۴۵
۱۹	سُوْرَةُ مَرْيَم	۶	۱۴
۲۰	سُوْرَةُ طٰهٰ	〃	۹۱
۲۱	سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء	〃	۱۶۷
۲۲	سُوْرَةُ الْحَجّ	〃	۲۳۵
۲۳	سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن	〃	۲۹۲
۲۴	سُوْرَةُ النُّوْر	〃	۳۳۰
۲۵	سُوْرَةُ الْفُرْقَان	〃	۴۵۶
۲۶	سُوْرَةُ الشُّعَرَآء	〃	۵۱۱
۲۷	سُوْرَةُ النَّمْل	〃	۵۵۷
۲۸	سُوْرَةُ الْقَصَص	۶	۶۱۴
۲۹	سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت	〃	۶۶۲
۳۰	سُوْرَةُ الرُّوْم	〃	۷۱۷
۳۱	سُوْرَةُ لُقْمٰن	۷	۱۷
۳۲	سُوْرَةُ السَّجْدَة	〃	۵۷
۳۳	سُوْرَةُ الْاَحْزَاب	〃	۷۷
۳۴	سُوْرَةُ سَبَا	〃	۲۵۰
۳۵	سُوْرَةُ فَاطِر	〃	۳۱۵
۳۶	سُوْرَةُ يٰسٓ	〃	۳۵۹
۳۷	سُوْرَةُ الصّٰفّٰت	〃	۴۱۴
۳۸	سُوْرَةُ صٓ	〃	۴۹۰
۳۹	سُوْرَةُ الزُّمَر	〃	۵۲۳
۴۰	سُوْرَةُ الْمُؤْمِن	〃	۵۷۸
۴۱	سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة	〃	۶۲۳
۴۲	سُوْرَةُ الشُّوْرٰى	〃	۶۶۹
۴۳	سُوْرَةُ الزُّخْرُف	〃	۷۱۶
۴۴	سُوْرَةُ الدُّخَان	〃	۷۵۵
۴۵	سُوْرَةُ الْجَاثِيَة	〃	۷۷۵
۴۶	سُوْرَةُ الْاَحْقَاف	〃	۷۹۱
۴۷	سُوْرَةُ مُحَمَّد	۸	۱۹
۴۸	سُوْرَةُ الْفَتْح	〃	۵۲
۴۹	سُوْرَةُ الْحُجُرٰت	〃	۹۷
۵۰	سُوْرَةُ قٓ	〃	۱۳۰
۵۱	سُوْرَةُ الذّٰرِيٰت	〃	۱۵۳
۵۲	سُوْرَةُ الطُّوْر	〃	۱۷۳
۵۳	سُوْرَةُ النَّجْم	〃	۱۸۸
۵۴	سُوْرَةُ الْقَمَر	〃	۲۲۳

نمبر شمار	نام سورہ	جلد نمبر	صفحہ نمبر
۵۵	سُورَةُ الرَّحْمٰن	۸	۲۳۹
۵۶	سُورَةُ الوَاقِعَة	〃	۲۶۳
۵۷	سُورَةُ الحَدِيد	〃	۲۹۰
۵۸	سُورَةُ المُجَادَلَة	〃	۳۳۱
۵۹	سُورَةُ الحَشْر	〃	۳۵۴
۶۰	سُورَةُ المُمْتَحِنَة	〃	۳۹۵
۶۱	سُورَةُ الصَّفّ	〃	۴۱۹
۶۲	سُورَةُ الجُمُعَة	〃	۴۳۱
۶۳	سُورَةُ المُنٰفِقُوْن	〃	۴۳۵
۶۴	سُورَةُ التَّغَابُن	〃	۴۴۰
۶۵	سُورَةُ الطَّلَاق	〃	۴۴۷
۶۶	سُورَةُ التَّحْرِيْم	〃	۴۹۶
۶۷	سُورَةُ المُلْك	〃	۵۰۸
۶۸	سُورَةُ القَلَم	〃	۵۲۳
۶۹	سُورَةُ الحَاقَّة	〃	۵۴۰
۷۰	سُورَةُ المَعَارِج	〃	۵۴۹
۷۱	سُورَةُ نُوح	〃	۵۵۹
۷۲	سُورَةُ الجِنّ	〃	۵۶۸
۷۳	سُورَةُ المُزَّمِّل	〃	۵۸۴
۷۴	سُورَةُ المُدَّثِّر	〃	۶۰۳
۷۵	سُورَةُ القِيٰمَة	〃	۶۱۸
۷۶	سُورَةُ الدَّهْر	〃	۶۲۹
۷۷	سُورَةُ المُرْسَلٰت	〃	۶۴۰
۷۸	سُورَةُ النَّبَاِ	〃	۶۴۹
۷۹	سُورَةُ النّٰزِعٰت	〃	۶۶۰
۸۰	سُورَةُ عَبَسَ	〃	۶۶۹
۸۱	سُورَةُ التَّكْوِيْر	〃	۶۷۸
۸۲	سُورَةُ الاِنْفِطَار	〃	۶۸۵
۸۳	سُورَةُ المُطَفِّفِيْن	〃	۶۸۹
۸۴	سُورَةُ الاِنْشِقَاق	〃	۷۰۰
۸۵	سُورَةُ البُرُوْج	۸	۷۰۹
۸۶	سُورَةُ الطَّارِق	〃	۷۱۵
۸۷	سُورَةُ الاَعْلٰى	〃	۷۲۰
۸۸	سُورَةُ الغَاشِيَة	〃	۷۲۸
۸۹	سُورَةُ الفَجْر	〃	۷۳۴
۹۰	سُورَةُ البَلَد	〃	۷۴۷
۹۱	سُورَةُ الشَّمْس	〃	۷۵۳
۹۲	سُورَةُ الَّيْل	〃	۷۵۸
۹۳	سُورَةُ الضُّحٰى	〃	۷۶۴
۹۴	سُورَةُ الاِنْشِرَاح	〃	۷۶۹
۹۵	سُورَةُ التِّيْن	〃	۷۷۳
۹۶	سُورَةُ العَلَق	〃	۷۷۸
۹۷	سُورَةُ القَدْر	〃	۷۹۰
۹۸	سُورَةُ البَيِّنَة	〃	۷۹۴
۹۹	سُورَةُ الزِّلْزَال	〃	۸۰۰
۱۰۰	سُورَةُ العٰدِيٰت	〃	۸۰۳
۱۰۱	سُورَةُ القَارِعَة	〃	۸۰۶
۱۰۲	سُورَةُ التَّكَاثُر	〃	۸۰۸
۱۰۳	سُورَةُ العَصْر	〃	۸۱۱
۱۰۴	سُورَةُ الهُمَزَة	〃	۸۱۴
۱۰۵	سُورَةُ الفِيْل	〃	۸۱۶
۱۰۶	سُورَةُ قُرَيْش	〃	۸۲۳
۱۰۷	سُورَةُ المَاعُوْن	〃	۸۲۵
۱۰۸	سُورَةُ الكَوْثَر	〃	۸۲۷
۱۰۹	سُورَةُ الكٰفِرُوْن	〃	۸۳۱
۱۱۰	سُورَةُ النَّصْر	〃	۸۳۵
۱۱۱	سُورَةُ اللَّهَب	〃	۸۳۸
۱۱۲	سُورَةُ الاِخْلَاص	〃	۸۴۳
۱۱۳	سُورَةُ الفَلَق	〃	۸۴۴
۱۱۴	سُورَةُ النَّاس	〃	۸۵۰